بلاغتِ نبوی کی فنی خصوصیات وامتیازات

* ڈاکٹر فضل اللہ

تمہید

الحمد للّٰه ربّ العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدالمرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین. ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین.

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک واضح اور معین ذمہ داری دے کر بھیجا تاکہ وہ ان کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائے۔ اس میں صرف ابلاغ نہیں تھا بلکہ ابلاغ مبین (واضح ابلاغ) مقصود تھا۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلاَغُ الْمُبِيْنُ﴾(1)

''رسول اللہ کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے''۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿يَآأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾(2)

''اے (ہمارے) پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے یہ (سب) آپ لوگوں تک پہنچا دیجیے''۔

دعوت اِلی اللہ کی ذمہ داری اور اس سے بطریق احسن عہدہ برآ ہونا بیانی تفوق اور غیر معمولی بلاغی صلاحیت کا متقاضی ہے۔ تاکہ اس اہم ذمہ داری کو اللہ تعالیٰ کے منشا اور حکم کے مطابق بہترین انداز میں ادا کیا جاسکے۔

ابلاغ کے لیے سب سے اہم بنیادی ذریعہ مؤثر کلام ہے جو دلوں تک رسائی حاصل کرے اور ذہنوں کو متاثر کر کے سامعین کو تدبر و تفکر پر مجبور کرے۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا﴾(3)

''اور انہیں نصیحت کرتے رہیے اور انہیں ان کے باب میں مؤثر بات کہتے رہیے''۔

کلام انسانی فکر کی تعمیر اور روحانی تکوین میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اور انسان اور زبان کے درمیان انتہائی اہم رشتہ اور تعلق ہے۔ بلکہ یہ نوع انسان کی اہم ترین امتیازی خصوصیات میں سے ہے۔ کلام جتنا لسانی طور پر مکمل، اسلوب بلند اور فنی خصوصیات کا حامل ہوگا اتنا ہی مؤثر ہوتا ہے۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر کلیہ عربی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

بلاغت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منابع وذرائع

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ قرآن کریم معجزات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک اہم معجزہ ہے۔ اس اعجاز کی وجوہات میں سے اہم ترین وجہ بلاغی اعجاز ہے۔ اور چیلنج بھی اسی میں ہے۔ اس اعجاز کا تقاضا ہے کہ حامل قرآن فصیح وبلیغ انسان ہوتا کہ اس کلام الٰہی کو مؤثر انداز میں لوگوں تک پہنچا سکے۔ مشیت ایزدی نے چاہا کہ اس بارگراں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر ڈالے۔ ﴿وَاللّٰه أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾(4)

''اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی رسالت کا اہل ہے''

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرض منصبی کی ادائیگی کے لیے خصوصی طور تیار فرمایا، وہ تمام ظاہری وباطنی وسائل مہیا کیے جو اس فرض منصبی کی کماحقہ تکمیل کے لیے ضروری تھے تاکہ آپ انتہائی واضح اور خوبصورت انداز میں لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام کو پہنچائے۔

ابتدا ہی سے اللہ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ مواقع واسباب فراہم کیے جن کی وجہ سے وہ فصاحت وبلاغت کی انتہا تک پہنچ گئے۔

> ابونصر فارابی نے قریش کے لہجے کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ قبیلہ قریش کے الفاظ سب سے زیادہ فصیح ہوا کرتے تھے اور نطق کے لحاظ سے آسان اور سننے والے پر مؤثر اور واضح تر ہوا کرتے تھے (5)

اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآنی مصاحف کی کتابت کے لیے قبیلہ قریش کا ہونا ضروری قرار دیا تھا اور کہا ''**لا يملين في مصاحِفناَ إلا غلمان قريش وثقيف**'' (6)

''ہمارے مصاحف کو قریش اور ثقیف کے علاوہ کوئی نہ لکھے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ قریش کے چشم وچراغ تھے۔ ننھیال بنوزہرہ، آپ کی ابتدائی رضاعت و پرورش بنوسعد بن بکر کی نشوونما قریش میں ہوئی شادی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہوئی (جو کہ بنواسد سے تھیں) یہ سارے قبائل زبان، لہجہ، فصاحت وبلاغت میں یکتائے زمانہ تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلیم الفطرت اور طبعی ذہانت فطانت کے مالک تھے۔ اور غور، تفکر وتدبر ان کا شیوہ تھا۔ اور کثرت تلاوت وتدبر کی وجہ سے قرآن کریم آپ کے جسم وجان کا حصہ بن چکا تھا۔ اسی لیے آپ کے کردار وگفتار میں قرآن کریم کا جلال وجمال اور فصاحت وبلاغت بطریق اتم پایا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا وہبی اور اکتسابی اسباب کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ فصیح اور بلیغ

تھے۔آپ کے کلام واستدلال میں کسی قسم کی تعقید وپیچیدگی کا نام ونشان تک نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص قسم کی لسانی مہارت سے نوازا تھا۔آپ نت نئے انواع کے اسالیب کلام کو ایجاد کرتے تھے،آپ میں تخیل اور تصور کی طاقت بہت واضح تھی۔ان کی فصاحت وبلاغت ہر قسم کی سلبیات سے منزّہ اور جملہ ایجابیات سے مزّین تھی۔اسی لیے سیدنا علی کرّم اللہ وجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم ایک ہی باپ کے فرزند ہیں اور آپ عرب کے مختلف وفود کے ساتھ ایسے انداز میں بات کرتے ہیں جو ہم نہیں کرسکتے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (أدّبني ربّي فأحسن تأديبي) اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب بیان سے متأثر ہوکر جب کہا کہ میں عرب وعجم میں گھوما آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ فصیح وبلیغ میں نے نہیں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ادّبنی ربّی فأحسن تادیبی)(7)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے بیان کا سلیقہ سکھایا ہے،اور بہت اچھی طرح مجھے ادب سکھایا ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس خداداد صلاحیت سے واقف تھے اور تحدیث نعمت کے طور پر کہا کرتے تھے

((أنا أفصح العرب بيد أني من قريش، ونشأت في بني سعد)) (8)

''میں تمام عرب سے زیادہ فصیح ہوں۔علاوہ ازیں میرا تعلق قریش سے ہے اور میری پرورش قبیلہ بنوسعد میں ہوئی''۔

فصاحت نبوی اور اس کے بلاغت پر مختلف ادوار کے علماء نے اپنے اپنے انداز میں اپنی آراء کا اظہار بہت تفصیلی انداز میں فرمایا ہے۔مثال کے طور پر عربی زبان وادب کے انتہائی مشہور شخصیت عمرو بن بحر جاحظ (المتوفی 255ھ) نے فرمایا:

((هو الكلام الذى قَلّ عدد حروفه وكثر عدد معانيه، وجُلّ عن الصنعة ونُـزّه عن التكلّف استعمل المبسوط في موضع البسط، والمقصور في موضع القصر وهجر الغريب الوحشيّ، ورغب عن الهجين السوقي......ثم لم يسمع الناس بكلام قط أعم نفعاً وأصدق لفظاً، ولا أعدل وزناً ولا أجمل مذهبا، ولا أكرم مطلبا، ولا أحسن موقعا، ولا أسهل مخرجا، ولا أفصح عن معناه، ولا أبين عن فحواه من كلامه صلى الله عليه وسلم))

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے الفاظ تعداد کے لحاظ سے کم لیکن معانی کے اعتبار سے بہت زیادہ ہوا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے تکلف اور تصنع سے پرہیز کرتے تھے۔ہمیشہ وقت وحالات کی ضرورت کے مطابق اپنا کلام پیش کرتے تھے، نامانوس اور

معیار سے گرے ہوئے الفاظ اور اسلوب کو قطعاً استعمال نہیں کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے زیادہ سچا، مفید اور الفاظ و معانی کے لحاظ سے انتہائی مناسب کلام بھلا کس کا ہو سکتا ہے''۔(9)

ابن الأثیر مجد الدین بن محمد الجزري (المتوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

''کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عرب سے زیادہ فصیح اور بیان میں سب سے زیادہ واضح، الفاظ و لہجے کے لحاظ سے انتہائی صاف، استدلال کے لحاظ سے مضبوط ترین اور حالات و مقتضیاتِ کلام کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ آپ کو خصوصی تائید ایز دی اور عنایت ربانی حاصل تھی''۔(10)

عصر جدید کے مایۂ ناز ادیب اور انشا پرداز احمد حسن الزیات نے اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

''فصاحت و بلاغت نبوی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خصوصی صلاحیت کا نام ہے۔ جو چیز عطائے الٰہی ہو اس کو مخلوق کے ترازو میں نہیں تولا جا سکتا اور نہ یہ ممکن ہے۔ اس لیے ہم اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ ہم صرف اس کے اثر کا ادراک کر سکتے ہیں۔ ہم اس جیسا کلام نہیں لا سکتے''۔(11)

یقیناً ہم بلاغت نبوی کی حقیقت کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغام تمام لوگوں تک پہنچانے کے لیے منتخب فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام زندگی اس فریضہ کو بہ طریق احسن انجام دینے میں صرف فرمائی احسن ادائیگی میں گزار دی۔

اللہ جل شانہٗ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ کلام ہی سے مخاطب متأثر ہوتا ہے۔ اور اس کے احساسات پر اثر انداز ہو کر اس کو بڑی سے بڑی قربانی پر تیار کرتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت انسانی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ جس کی نظیر تلاش کرنا تحصیل لا حاصل کے مترادف ہے۔

چونکہ اسلامی ادب اپنے مافی الضمیر کو عمدہ حروف اور الفاظ میں پیش کرنا کی بنیاد ایک ایسے اسلوب پر ہے جو زبان کی پختگی اور اسلوب کی روانی و خوبصورتی پر مشتمل ہو۔ ایک مؤمن ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنا شعار بناتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں ان ہی اسالیبِ بیان کا استعمال کریں جن کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

ذیل میں کوشش کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فنی خصوصیات و امتیازات پر روشنی ڈالیں۔ ویسے تو موضوع کا کما حقہ استیعاب نہیں ہو سکتا تاہم اس کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

❶ وضاحتِ بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام ہو ہدایات کو بنی نوع انسان تک پہنچانا ہے۔اس لیے اسلوبِ نبوی میں وضاحت اور بیان کا وصف انتہائی واضح ہے۔اور یہ خصوصیت درج ذیل وجوہات کی وجہ سے بہت عام اور واضح تھی۔

(1) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بنیادی مقصد ابلاغ تھا۔اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسلوب واضح نہ ہو۔اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیغام کو انتہائی وضاحت کے ساتھ پیش فرماتے تھے۔اور سننے والا چاہتا تو اس کلام کے اجزاء کو گن سکتا تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

> **((ماکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یسرد سردکم ھذا ولکنہ یتکلم بکلام بیّن فصل یحفظہ من جلس إلیہ))**(12)
>
> ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کی طرح جلد اور تیزی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی واضح انداز میں بات کیا کرتے تھے جس کو حاضرین مجلس یاد کر سکتے تھے''۔
>
> اسی طرح سنن ابوداؤد میں منقول ہے۔(12)
>
> ام معبد کا کہنا ہے:
>
> ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش باوقار رہتے تھے۔آپ کا کلام انتہائی شائستہ وخوبصورت موتیوں کی طرح ہوا کرتا تھا''(13)

بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کو بار بار دہراتے تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

> ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کو تین تین دفعہ دہراتے تھے،اور جب کسی مجلس کے پاس سے گذرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے تھے''۔(14)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام میں ہر قسم کی پیچیدگی،ابہام اور نامانوس کلمات اور جملے استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے۔اس بارے میں سینکڑوں نصوص کو بطور استشہاد پیش کیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر اعلان نبوت کے موقع پر کوہ صفا کے دامن میں کھڑے ہو کر آپؐ نے فرمایا:

> **((إن الرائد لا یکذب أھلہ، واللّٰہ لو کذبت الناس جمعا ما کذبتکم، ولو غررت الناس جمیعا ما غررتکم، واللّٰہ الذی لا إلہ الا ھو إنی لرسول اللّٰہ**

إليكم خاصة، وإلى الناس كافة، والله لتموتن كما تنامون، ولتبعثن كما تستيقظون، ولتحاسبن بما تعملونه ولتجزون بالإحسان إحساناً، وبالسوء سوءاً، وإنها لجنة أبداً، ولنار أبداً......))(15)

''یقیناً سربراہ اپنے متعلقین سے جھوٹ نہیں بولتا، اگر (بفرض محال) میں سب لوگوں سے جھوٹ بولوں تو آپ سے جھوٹ نہیں بولتا، اگر میں سب لوگوں سے دھوکہ کروں تو آپ سے دھوکہ نہیں کروں گا۔ اللہ کی قسم جو معبود برحق ہے میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف خصوصاً اور تمام لوگوں کی طرف عموماً بھیجا گیا ہوں۔ اللہ کی قسم آپ لوگ اسی طرح مریں گے جس طرح آپ سوتے ہیں اور آپ کو اسی طرح اٹھایا جائے گا جس طرح آپ بیدار ہوتے ہیں۔ آپ کے اعمال کا حساب ضرور لیا جائے گا اور احسان کا بدلہ احسان ہے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا۔ نیکی کا بدلہ جنت کی شکل میں اور برائی کا بدلہ دوزخ کی شکل میں دیا جائے گا''۔

مندرجہ بالا نص کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسلوب بیان انتہائی واضح ہے۔ اور مزید وضاحت کے لیے مختلف توضیحی اُسالیب مثال کے طور پر استعارہ، تشبیہ کنایہ، امثال اور قصہ وغیرہ کا سہارا لیا گیا ہے۔

بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت کے لیے اپنے دست مبارکہ سے اشارہ کر کے حاضرین کو سمجھاتے تھے مثال کے طور پر ان کا یہ ارشاد کہ: (التقوی ھھنا)(16)

تقوی یہاں ہے (اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

یا حضور صلی اللہ کا یہ ارشاد کہ (أنا و کافل الیتم ھکذا)(17)

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اسی طرح ہوں گے''۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز بیان انتہائی واضح تھا اور اس کے کلام میں کسی قسم کی پیچیدگی اور ابہام نہیں تھا تو پھر غریب الحدیث اور احادیث پر معاجم کی سینکڑوں کتابیں کیسے منصۂ شہود پر آئیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام کو مقتضی الحال کے مطابق پیش کیا ہے۔ اور جو مشکلات اس کو سمجھنے میں پیش آتی ہیں اس کی وجہ:

① عربی زبان وادب اور جزیرۃ العرب کی تہذیب اور تمدن سے ناواقفیت۔

یا

② یہ کہ وہ کلمات اور اسلوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مالوف و مستعمل تھے پھر بعد میں ان کے استعمال میں مرور زمانہ کے ساتھ کمی ہوئی۔

یا

③ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اسالیب وکلمات پہلی دفعہ استعمال کیے تو اس وجہ سے ان کو سمجھنے میں دقت پیش ائی۔ اور ایسے اسالیب وکلمات دوسرے کے نسبت بہت کم ہیں۔

❷ مخاطب کے احوال کی رعایت

کلام کی بلاغت کے لیے مقتضی الحال کی رعایت ضروری ہے۔ اور مقتضی الحال کے لیے مقام اور مخاطب کے احوال سے واقفیت ضروری ہے۔ بلاغت نبوی کی سب سے اہم خصوصیت مخاطب کے احوال کا لحاظ رکھنا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب اپنے مخاطب کی زبان وتہذیب اور ان کے علمی وفکری سطح کے مطابق ہوتا تھا کیونکہ آپ کو عربی زبان وادب پر مکمل دسترس حاصل تھی اور وہ اپنی تعبیر میں بہترین الفاظ اور تراکیب استعمال کرتے تھے۔ اور ہر قبیلے کو ان کے لہجے اور زبان میں مخاطب ہوتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

''میں نے کوئی غریب الفاظ عربوں سے نہیں سنے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ((مات حتف أنفه)) ''وہ اپنی موت آپ مرا' میں نے یہ کسی اور سے نہیں سنا'' (۱۸)

عطیہ السعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، جب آپؐ نے مجھے دیکھا تو انہوں نے فرمایا: ''**مأأغناک الله، فلا تسأل الناس فإن اليد العلياخير هي المنطية، واليد السفلى هي المنطاة (۱۹) وإن الله مسئول ومنطى**''(20)

''کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی میں سے نہیں ہے

مسند عبدالرزاق اور حمیدی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کعب بن عاصم الأشعری کے لیے یوں روایت کیا ہے: ((**ليس من أم بر أم صيام في أم سفر**))(20)

یہ صحیح لغت ہے اور الاشعری قبیلے کے لوگ (اللہ تعالیٰ نے تجھے کتنی دولت سے نوازا ہے، پس تم لوگو سے مت مانگا کر، کیونکہ اوپر والا ہاتھ بہتر ہے جو کہ دینے والا ہے، اور نیچے والا ہاتھ لینے والا ہے اور مال وہ ہے جو مانگا گیا ہے) اسی طرح بولتے ہیں۔ چونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا تعلق اشعری قبیلے سے تھے اس لیے آپؐ نے ان کے لب لہجے کے مطابق جواب دیا۔ حدیث میں الف لام کو میم سے تبدیل کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جواب ان کو ان کے لہجے میں دیا تا کہ وہ بہتر انداز میں سمجھ سکیں۔

اس طرح کے کئی مظاہر ہمیں ان خطوط میں بھی ملتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب کے دور دراز قبائل کے نام بھیجے۔ جو قریش کے لہجے سے مختلف لہجے والے تھے۔ کیونکہ ان کے لیے ان کے لہجے میں بات کرنا ہی مناسب وموزوں تھا۔ مثال کے طور پر جب اہل فارس کو خط لکھا تو اس خط کے الفاظ انتہائی سادہ اور عام فہم زبان میں یوں تحریر فرمایا:

((من محمدّ رسول اللّٰه إلى كسرى برويز عظيم فارس سلام على من اتبع الهدى و آمن باللّٰه ورسوله فأدعوك بداعية اللّٰه فإني انا رسول اللّٰه إلى الخلق كافة لينذر من كان حيّا ويحق القول على الكافرين......فاسلم تسلم)) (21)

''محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ فارس کے بادشاہ کے نام۔ پس سلامتی اس پر ہو جس نے سیدھا راستہ اختیار کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، میں آپ کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں اللہ کی طرف تمام مخلوق کے لیے رسول ہوں تا کہ تمام زندہ انسانوں کو ڈراسکوں اور کافروں پر اللہ کا عذاب ثابت ہو جائے گا۔ پس تم اسلام قبول کرو تا کہ تم نجات پاؤ''۔

لیکن جب ان کے مخاطب خالص عرب ہوتے تو الفاظ اور تراکیب دقیق استعمال کرتے۔ مثال کے طور پر وائل بن حجر الحضرمی کو خطوط لکھتے ہوئے تحریر فرمایا:

((من محمّد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى أقيال العباهلة من أهل حضر موت بإقام الصلاة وايتاء الزكوٰة على التبعة)) (22) **((واليتيمة لصاحبها وفى السيوب الخمس لا خلاط ولاوراط))** (23)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عباہلہ قبیلے کے سرداروں کے نام کہ نماز ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو، بھیڑ بکریاں جب چالیس ہو جائیں تو اس میں ایک بکری بطور زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ اور جو اس سے زائد ہو تو وہ مالک کے لیے ہے اور مال غنیمت میں پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ فریضۂ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے نہ تو کسی اور کے مال مویشی کے ساتھ ملائے جائیں گے اور نہ الگ کیے جائیں گے۔

چونکہ حضرت وائلؓ خالص عرب اور فصیح و بلیغ تھے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اسلوب ان کی لسانی اور قبائلی پس منظر کو سامنے رکھ کر پیش فرمایا

اوراسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دومۃ الجندل کے رئیس کے نام جس میں فرمایا۔

((إن لنا الضاحية من النحل والبوروالمعامي وأغفال الأرض والحلقة والسلاح، ولكم الضامنة من النحل والمعين من المعمور لا تعدل سارحتكم ولا تعد فاردتكم ولا يحضر عليكم النبات تقيمون الصلوة لوقتها وتؤدون الزكاة، عليكم بذلك عهدالله وميثاقه)) (24)

''ہمارے لیے وہ کھجوریں ہیں جوشہر کے فصیل اورآبادی سے باہر ہیں اور وہ زمینیں ہیں جن پر کسی آبادی یا کسی کی ملکیت کا اثر موجودنہیں ہے۔ اور آپ کے لیے وہ کھجوریں ہیں جو فصیل کے اندر اور آبادی والے علاقے میں ہیں۔ آپ کے مال مویشی آزاد چریں گے ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ آپ کو نماز اپنے وقت پر ادا کرنا پڑے گی اور زکوٰۃ بھی دینی پڑے گی۔ یہی آپ سے ہمارا معاہدہ ہے۔''

اسی طرح ایک اور واقعہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بنی نہد کے وفد کے ساتھ گفتگو جس میں طرفہ بن اَبی زہیر النہدی نے جب کہا:

((أتيناك يا رسول الله صلى الله عليه وسلم من غورى تهامة بأكوار الميس ترتمى بنا العيس نستحلب الصبير ونستخلب الخبير ونستعضد البرير ونستخيل الرهام ونستجيل أو نسجيل الجهام في أرض غائلة النطاة غليظة المؤطا قد نشف المدهن ويبس الجعثن وسقط الأملوج ومات العسلوج وهلك الهدى ومات الودى))

''ہم اونٹوں کے قافلے میں آپ کے پاس آئے ہیں۔ ہم سفید بادلوں سے بارش کی توقع رکھتے ہیں۔ اور قحط کے ہاتھوں پتے اور گھاس کھانے پر مجبور ہیں، اور خالی بادل سے بارش کی توقع رکھتے ہیں، اور دُور دراز صحرا میں پڑے ہوئے ہیں اور بارش کے جمع شدہ پانی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں اور نباتات کی تلاش میں رہتے ہیں۔ درختوں کے پتے خشک ہوکر گر کر خس وخاشاک میں تبدیل ہوچکے ہیں، مال مویشی مرچکے ہیں اور وادیاں خشک ہوچکی ہیں''۔

اس فصیح وبلیغ کلام کے جواب میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اللهم بارك لهم فى محضها ومخضها مذقها وفرقها وابعث راعيها الدثر وافجر لهم الثمد وبارك لهم فى المال والولد، من أقام الصلوٰة كان

مسلماً ومن آتى الزكوٰة كان محسنا ومن شهد أن لا اله الا اللهٰ كان مخلصا لكم يا بنى نهد ودائع الشرک وضائع الملک لا تلطط فى الزكاة وتلحظ فى الحياة ولا تتثا قل من الصلاة)) (25)

''اے اللہ تو ان کے دودھ لسّی میں برکت ڈال، اور ان کے دودھ سے بننے والی اشیاء میں برکت ڈال اور ان کی زمینوں کو سیراب کر کے ان کو سرسبز شاداب میں تبدیل فرما۔ ان کے پانی کے ذخیروں میں برکت ڈال۔ ان کے مال واولاد میں اضافہ فرما۔ ان میں سے جس نے نماز پڑھی وہ مسلمان ہوگیا۔ جس نے زکوۃ ادا کی وہ احسان کرنے والا ہوگیا۔ اور جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا وہ مخلص ہوگیا۔ اے بنی نہد آپ کے تمام معاہدات کا احترام کیا جائے گا، اور معاملات میں آپ کو دوسرے مسلمانوں کے برابر کا سلوک کیا جائے گا۔ زکوٰۃ دینے میں لیت ولعل سے کام نہ لیں۔ غلط کاموں سے اپنے آپ کو بچاتے رہیں اور نماز کی ادائیگی میں سستی نہ کریں۔''

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام قبائل کے ساتھ ان کے لہجے کے مطابق مخاطب ہوتے تھے۔ جس سے ایک تو وہ اپنے پیغام کو بہترین انداز میں پہنچاتے تھے اور دوسرا یہ کہ وہ اس سے ان کو نفسیاتی طور پر متاثر کرنا چاہتے تھے کیونکہ ہر انسان اپنی زبان، لہجے اور تہذیب سے قلبی لگاؤ رکھتا ہے۔ اور جو بھی ان کے اپنے لہجے اور طور طریقے سے مخاطب ہو تو وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

❸ جدّت اور اصالت

کلامِ نبوی کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت کلام میں جدت ہے۔ یہ مظہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اقوال میں نمایاں نظر آتا ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کلمات وتراکیب وفقرے استعمال کیے جو اس سے پہلے مستعمل نہ تھے۔ یہ اس بات کا غماز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توفیق الہیٰ ہمیشہ حاصل تھی آپؐ نے فرمایا: ((اوتیت القرآن ومثله معه)) (26)

''مجھے قرآن مجید اور اس کے ساتھ اس جیسا کلام عطا کیا گیا ہے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کے بارے میں بہت سے علماء نے لکھا ہے (27)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس خصوصیت کے بارے میں یوں فرمایا ہے۔

((أعطيت جوامع الكلم)) اور ایک روایت میں ہے ((أوتيت جوامع الكلم)) (28) کہ مجھے

جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں۔

اس کی وضاحت عصر کے مشہور ادیب مصطفیٰ صادق الرافعی نے یوں بیان کی ہے:

''کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس الفاظ کے بنانے کی صلاحیت موجود تھی۔ اسی لیے ان کے منہ سے ایسے الفاظ، تراکیب، فقرے نکلے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کہے۔ اور عربی زبان کی فصاحت و بلاغت میں اضافہ کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے عربی زبان کے انتہائی خوبصورت حصے کے طور پر محفوظ ہو گئے''۔(29)

ایسے الفاظ، تراکیب اور فقرے بہت ہیں ان میں چند ایک یہ ہیں:

((مات حتف أنفه)) ''وہ اپنی موت آپ مرا''

((الآن حمی الوطیس)) ''اب جنگ کی آگ گرم ہوگئی ہے''

((لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین)) ''مؤمن کو ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا''

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ((هدنة علی دخن))(30) ''اس صلح میں دھواں ہے''

اگر ہم مذکورہ بالا ارشادات پر غور کریں تو ہمیں ان فرمودات کے اندر معانی کا بحر بیکراں نظر آتا ہے۔ لیکن سردست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر غور و فکر کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ((هدنة علی دخن)) فرمایا۔

''هدنة'' عربی زبان میں صلح و صفائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور ''الدّخن'' کا مطلب ہے کہ وہ کھانا جس پر دھواں پڑنے سے اس کی لذت اور ذائقے میں فرق آئے۔ عصر جدید کے مشہور اسلامی ادیب مصطفیٰ رافعی نے اس مثال کے نیچے بہت عمدہ تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے پیچھے معانی و اشارات کا وہ سمندر چھپا ہوا ہے اگر تمام زبان کو بھی اس کے لیے استعمال کیا جائے پھر بھی وہ معانی نہیں آئینگے جو اس چھوٹے سے چھوٹے جملے میں پنہاں ہیں۔ کیونکہ صلح درگزر، نرمی اور جنگ و جدل سے باز آنے کا نام ہے۔ اور یہ تمام صفات نرم دلی کی صفات ہیں، جب صلح کی بنیاد فساد پر مبنی ہو، اور اس کے اندر خرابی ہو تو اس نرم دل پر فساد غالب ہو کر اس کو خراب کرتا ہے تا کہ وہ دوبارہ نیک کام نہ کر سکے۔ جس طرح دھواں کھانے میں مل کر اس کے ذائقے اور لذت کو خراب کرتا ہے اس کے بعد ہر کھانے والے کو دھواں کا ذائقہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس فساد کی تصویر ہے جس میں حسد و کینہ سے بھرے دل کی تصویر کشی کی گئی ہے اور اس تصویر کشی میں اس بری نیت کو دھویں کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جس میں اندھیرا پن ہے گویا نیتیں جب بگڑ جاتی ہیں تو وہ دل قابل اصلاح نہیں رہتے، اور پھر وہ اندھیرے میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

پھر تیسرا اہم مفہوم جس کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ صلح درحقیقت جنگ کی آگ کو بجھانے کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہ جنگ وہ ہے جو قلیل مدت کے لیے بجھ گئی ہے جو مستقبل میں ایک اور خطرناک آگ کی شکل میں نمودار ہوگا۔ جس طرح گیلی لکڑیوں کو آگ کے قریب اس لیے رکھا جاتا ہے تاکہ وہ سوکھ کر دوبارہ جلنے کے قابل ہوجائیں اور اچانک دھویں کے درمیان آگ بھڑک کر اٹھتی ہے۔ اسی طرح جس صلح کی بنیاد فساد پر مبنی ہو وہ اس گیلی لکڑی کی مانند ہے جو ابتدا میں تو دھواں ہوتا ہے بعد میں بہت بڑی آگ کی شکل میں سب کو اپنے لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام میں ایسے الفاظ، تراکیب اور مصطلحات استعمال فرماتے تھے جو اس سے پہلے عربوں میں مستعمل نہ تھے۔ اور امام خطابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغی خصوصیات میں سے گنواتے ہوئے ان مفردات اور مصطلحات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ استعمال کیے۔ جن کا تعلق شریعت اور اسلام سے ہے۔(31) اور جاحظ نے اس کی تائید کی ہے۔(32)

❹ ایجاز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک خصوصیت اختصار اور ایجاز تھا۔ کیونکہ وہ انتہائی مختصر انداز میں بات کرتے تھے۔ آپ ایسے اسلوب اور اندازِ اختیار کرتے تھے۔ جس میں الفاظ بہت کم مگر معانی ومفاہیم کا ذخیرہ بکثرت موجود ہوتا تھا۔

امام ترمذی نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ھند بن اَبی ہالہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز کلام کے بارے میں مجھے بتادیجیے۔ تو انہوں نے کہا:

> ((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، طويل السكت لا يتكلم في غير حاجة يفتح الكلام ويختمه باسم الله ويتكلم بجوامع الكلم، كلامه فصل لا فضول ولا تقصير ....))(33)
>
> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ دیر خاموش رہا کرتے تھے۔ ضرورت کے بغیر گفتگو نہیں کرتے تھے۔ اللہ کے نام سے کلام کی ابتداء کرتے تھے اور اللہ کے نام سے ہی کلام کو ختم کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فضول گفتگو اور کلام میں تصنع اور بناوٹ کو پسند نہیں کرتے تھے''۔

اسی لیے جب ایک اعرابی نے آپ کے سامنے اپنی بات کو طول دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کراہت کے انداز میں پوچھا:

((كم دون لسانک من حجاب؟ فقال: شفتاى وأسناني، فقال له: إنَّ اللّٰه يكره الا نبعاق فى الكلام فنضّر اللّٰه وجه امرئ أوجز في كلامه واقتصر على حاجته)) (34)

''تمہارے زبان میں کتنے پردے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ دو ہونٹ اور دانت، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کلام میں غیر ضروری طوالت کو ناپسند کرتا ہے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تر و تازہ رکھے جو بات مختصر کرتا ہے اور اپنی ضرورت تک محدود رہتا ہے''۔

آپ علیہ السلام ہمیشہ دوسروں کو ایجاز کی وصیت کرتے تھے۔ جیسا کہ جریر بن عبداللہ البجلی کو فرمایا:

((يا جرير إذا قلت فأوجز، فاذا بلغت حاجتک ولا تتكلف)) (35)

''کہ جریر! جب کچھ کہنا ہو تو ایجاز واختصار سے کام لیا کرو، اور جب مطلب پورا ہو جائے تو اس میں تکلف وتصنع سے کام نہ لیا کرو''۔

علماء بلاغت کے نزدیک ایجاز بلاغت کا اہم عنصر ہے۔ ابن سنان الحفاجی نے ایجاز کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کلام میں اصل ایجاز ہے کیونکہ اصل مقصود کلام میں معانی ہیں نہ کہ الفاظ۔ لفظ کی حیثیت ایک وسیلہ اور راستہ کی ہے۔ اور وسیلہ اور راستہ وہی بہتر ہوتا ہے جو مختصر ترین ہو (36)۔

علماء کی کثیر تعداد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایجاز واختصار کے پہلو کو بہت مفصل انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ان میں ابو ہلال العسکری (37)، ابن رشیق القیروانی (38) ابن الاثیر (39) اور عز بن عبدالسلام (40) زیادہ مشہور ہیں۔

یہ خصوصیت جوامع الکلم میں انتہائی واضح شکل میں موجود ہے۔

ذیل میں چند اقوال بطور نمونہ ایسے پیش کیے جاتے ہیں جن میں الفاظ تو بہت کم ہیں لیکن معانی کا سمندر پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ليدخلن هذا الدين على مادخل عليه الليل))(41)

''بے شک دینِ اسلام ہر اس جگہ پہنچ جائے گا جہاں رات داخل ہوتی ہے''

اور **((إذا لم تستحى فاصنع ماشئت))**(42)

''جب آپ کے اندر شرم وحیا نہ ہو تو جو مرضی کرو''

اور **((إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرى ء مانوى))**(42)

''بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی ہے''۔

ابن الأثیر نے جوامع الکلم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ کلمات اور تراکیب کی صورت میں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاز یا حقیقت کی شکل میں پہلی دفعہ استعمال کیے، مثال کے طور پر ''الآن حمی الوطیس'' اور دوسری قسم وہ جس میں لفظی طور پر اختصار اور ایجاز ہو لیکن معانی کے لحاظ سے بہت وسعت ہو۔

احمد حسن الزیات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب میں ایجاز اور اختصار کے بنیادی سبب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایجاز یا اختصار وہی شخص استعمال کر سکتا ہے جس کے پاس تعبیری صلاحیت اور ذہنی پختگی ہو اور یہ صفات ذہنی قوت، روحانی بلندی اور احساس کی قوت کے بغیر ممکن نہیں ہیں اور یہ صفات ساری کی ساری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بدرجہ کمال موجود تھیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایجاز اور اختصار کثرت سے پایا جاتا ہے۔(43)

5 تسلسل اور منطقی انداز

مؤثر کلام کے لیے تسلسل اور منطقی انداز کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر مخاطب کو متاثر نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ وصف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور خطبات میں بطریق اتم پایا جاتا ہے۔ اس کا اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اہتمام کے ساتھ کرتے تھے۔ مثال کے طور پر جب قریش کا ایک نوجوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے زنا کی اجازت دیجیے تو مجلس میں موجود لوگوں نے اس کو ڈانٹا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اس کو مت ڈانٹیں اور اُسے کہا کہ نزدیک ہو جاؤ تو وہ بہت نزدیک ہو گیا۔ اس سے پوچھا کہ کیا آپ اپنی ماں کے لیے یہ پسند کرو گے تو اس نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اس کو پسند نہیں کرتے، کیا آپ اپنی بیٹی کے لیے پسند کرو گے تو اس نے کہا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر بالترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہن، پھوپھی، خالہ کے بارے میں پوچھا اور ہر دفعہ اس نے انکار کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو اس کے سر پر رکھ کر کہا کہ اے اللہ اس کے گناہ کو معاف کر دے اور اس کے دل کو پاکیزہ کر دے اور اسے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنے کی توفیق دیجیے۔(44)

مذکورہ بالا مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ظرفی اور مخاطب کو قائل کرنے کی بہترین مثالی صلاحیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منطقی انداز میں نوجوان کو گمراہی سے بچایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے اندر عجیب انداز کا تسلسل ہوتا تھا ہر پہلا جملہ دوسرے جملے کا مقدمہ اور ہر دوسرا جملہ پہلے جملے کا نتیجہ ہوتا تھا۔ اس سے مخاطب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((إن الصدق يهدي إلى البرو إن البر يهدي إلى الجنة وإن الرجل ليصدق حتى يكتب عند الله صديقا وإن الكذب يهدي إلى الفجور،وإن الفجور يهدي إلى النار،وأن الرجل يكذب ليكذب حتى يكتب عند الله كذابا)) (44)

''سچائی یقیناً نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے ہاں اس کا نام سچا لکھا جاتا ہے۔ اور جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتا ہے اور آدمی جب مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے ہاں اس کا نام جھوٹا لکھا جاتا ہے''۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ :

((إن الغضب من الشيطان وإن الشيطان خلق من النار، وإنما تطفأ النار بالماء فإذا غضب أحدكم فليتوضأ))(45)

''غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ پس تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ وضو کرے''۔

اس طرح اور مثالیں بھی کافی ہیں۔ جس میں مقدمہ اور نتیجہ کے درمیان مضبوط منطقی تسلسل پایا جاتا ہے۔ اور کلام کا ہر جملہ مقدمے سے نتیجے کی طرف انتہائی تسلسل اور مربوط شکل میں رواں دواں نظر آتا ہے۔ اس طرح کے اسلوب سے مخاطب کا ذہن متاثر ہوتا ہے۔

❻ تصویر کشی

ادب میں تصویر کشی بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ تصویر کی مدد سے بہت سے غیر مرئی اور مجرد اشیاء کو محسوس شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب میں یہ حصہ بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ تصویر کشی کے کئی انواع اور عناصر ہیں، جن میں استعارہ، تشبیہ، کنایہ اور وصف وغیرہ ہیں۔

عربی زبان وادب میں مجاز کا استعمال عام ہے(46) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں مجاز کا استعمال بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور اسی کثرت کے پیش نظر امام الشریف الرضی نے ایک کتاب بعنوان

"المجازات النبوية" لکھ ڈالی اور مقدمے میں وجہ تالیف کا ذکر مفصل انداز میں کیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں تقریبا 361 احادیث کو موضوع بحث بنایا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کلام میں مجاز کا استعمال اس کو مضبوط اور مؤثر بنا تا ہے (47)۔

ادب میں تصویر کشی بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ تصویر کی مدد سے بہت سے غیر مرئی اور مجرد اشیاء وغیرہ ہیں

① استعارۃ

مجاز کی واضح ترین اور مشہور ترین شکل استعارہ ہے (48)۔

استعارہ سے مراد لفظ کو اپنے اصل معنی میں استعمال کرنے کے بجائے ایسے مجازی معنی میں استعمال کرنا جہاں حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان مشابہت کا تعلق ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں استعارات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احد کے پہاڑ کے بارے میں یہ ارشاد ((**هذا جبل يحبنا و نحبه**))(49) "یہ پہاڑ ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں"۔

جب ہم اس ارشاد پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس شدّتِ تعلق کا اظہار ہے جو احد پہاڑ اور مسلمانوں کے درمیان موجود تھا۔ اور انہوں نے احد کو ایک ایسے انسان سے تشبیہ دی جو محبت کرتا ہو۔ پھر مشبہ بہ (انسان) کو حذف کر کے مشبہ (اُحد) کو قائمقام بنا کر محبت کو اس کی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح یہ اسلوب علماء بلاغت کے نزدیک استعارہ مکنیہ کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی طرح استعارہ کی ایک اور مثال جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((**وستجدون آخرين للشيطان في رؤسهم مفاحص فاقلعوها بالسيوف**))(50)

"اور ایک اور (گروہ) کو دیکھیں گے کہ ان کے سروں پر شیطان نے گھونسلے بنا کر رکھے ہیں پس (تم) ان کو تلواروں سے اُکھیڑ ڈالو"۔

شریف رضی نے اس حدیث پر تعلیق اور تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ایک انوکھا اور نادر استعارہ ہے کیونکہ عربی میں جب کسی کی ہٹ دھرمی اور جہالت پر ڈٹے رہنے کے بارے میں پرزور انداز میں کچھ کہنا ہو تو یہ کہا جاتا کہ "**قد فرخ الشيطان في رأسه**" کہ شیطان نے اس کے سر پر انڈے ڈالے ہیں"۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ "**عشش في قلبه**" کہ اس کے دل میں شیطان نے گھونسلہ بنایا ہے۔ اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معنی اخذ کر کے اس کو مزید پرزور انداز میں پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ "**للشيطان في رؤسهم مفاحص**" کہ ان کے سروں میں شیطان کے گھونسلے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سروں کو گھونسلے سے اس لیے تشبیہ دی کیونکہ پرندے گھونسلہ بنانے سے پہلے اس جگہ کو ہر طرف سے معائنہ کرتے ہیں پھر اس کی ضروری صفائی کرتے

ہیں پھر اس میں نیا گھونسلہ بناتے ہیں۔ چونکہ شیطان نے ان کو ورغلانا شروع کیا ہے ان کو یقین ہو گیا ہے کہ یہ لوگ میری گرفت میں آجائیں گے۔ یا یہ کہ گھونسلہ کامل اطمینان کی جگہ ہے جہاں پرندہ دن بھر کی تھکاوٹ کو دُور کرتا ہے۔ اسی طرح ان کے ذہن بھی شیطان کے گھونسلے میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ جہاں شیطان آرام اور اطمینان سے اپنی کاروائی کرسکتا ہے۔(51)

راقم کے خیال میں آخر توجیہہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں شیطان کی مکمل گرفت اور اطمینان کا اظہار ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ((لا تستضئوا بنار المشركين)) یعنی مشرکین کی آگ سے روشنی طلب نہ کریں۔ یہاں (نار) آگ سے مراد مشورہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مشورے کو آگ سے تشبیہ دے کر یہ واضح کیا کہ جس طرح آگ خطرناک ہے اسی طرح کفار سے مشورہ لینا بھی خطرناک ہے۔(52)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ حنین کے موقع پر یہ ارشاد: ((الآن حمي الوطيس)) یعنی اب تندور گرم ہوا ہے۔ یعنی جنگ تیز ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "وطیس" استعمال کر کے یہ واضح کیا جس طرح تندور گرم ہوتا ہے اسی طرح جنگ بھی اپنی لپیٹ میں آنے والی اشیاء کا صفایا کرتی ہے۔ جنگ کی شدت کی وضاحت کے لئے اس سے بہتر الفاظ نہیں ہو سکتے۔ دوسرے الفاظ سے اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

مجاز میں سے ایک اہم نوع مجاز مرسل بھی ہے جس میں اصلی اور مجازی معنی کے درمیان مشابہت نہیں ہوتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، مثال کے طور پر ((اليد العليا خير من اليد السفلى))(53)" کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے"۔ یہاں ید سے مراد ہاتھ نہیں بلکہ دینے والا شخص ہے۔ ہاتھ جز کا ذکر کر کے مراد (کل) لیا ہے۔

② تشبیہ

ادب میں اسلوب تشبیہ کا مقام بہت نمایاں ہے۔ کیونکہ یہ ابتداء آفرینش سے ادباء کے لیے اظہار و تصویر کشی کا بہترین ذریعہ رہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اسلوب کو استعمال کر کے عربی زبان و ادب میں کئی نئی اور نادر تشبیہات کا اضافہ کیا۔ ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

((إياكم والحسد فإنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب))(54)

''کہ اپنے آپ کو حسد سے بچاتے رہو کیونکہ یہ (حسد) نیکیوں کو ایسے کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتا ہے''۔

اس تشبیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد کی برائی کی توضیح انتہائی مؤثر انداز میں بیان کی ہے۔فرد اور معاشرے کے درمیان تعلق کو یہ کہہ کر اظہار فرمایا کہ:

((مثل القائم على حدود الله والمدهن فيها كمثل قوم استهموا على سفينة البحر فأصاب بعضهم أعلاها وأصاب بعضهم أسفلها، فكان الذين في أسفلها يصعدون ويستقون الماء فيصبون على الذين في أعلاها، فقال الذين في أعلاها، لاندعكم تسعدون فتؤذوننا، فقال الذين في أسفلها، فإننا نثقبها من أسفلها فنتسق، فإن أخذوا على أيديهم فمنعوهم نجوا جميعا، وإن تركوهم غرقوا جميعا))(54)

اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود کی پاسداری کرتا ہے اور اس کی جو اس میں مداہنت سے کام لیتا ہے اس قوم جیسی ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے قرعہ اندازی کے ذریعے کچھ لوگ اوپر منزل میں جگہ پائے اور کچھ نیچے کی منزل میں رہے۔نیچے والے پانی طلب کرنے کے لیے جب اوپر والوں کے پاس گئے تھے۔تو اوپر والوں نے کہا کہ آپ اوپر چڑھ کر ہمیں تنگ کر رہے ہیں۔لہذا ہم آپ کو اجازت نہیں دیتے ہیں۔تو نیچے والوں نے کہا کہ ہم نیچے سوراخ کر دیتے ہیں تا کہ پانی پی سکیں۔اب اس صورت میں اگر اوپر والے ان کو روکیں گے تو دونوں منزل والے نجات پائیں ورنہ دونوں ہلاک ہو جائیں گے''۔

خاتون کی نفسیاتی خصوصیات کے بارے میں آنحضرت کا یہ ارشاد کہ **((المرأة كا لضلع إن أقمتها كسرتها وإن استمتعت بها استمتعت بها وفيها عوج))**(55)

''خاتون پسلی کی مانند ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اس سے ٹیڑھے پن کے باوجود فائدہ اٹھاتے رہو گے تو فائدے میں رہو گے''

اس طرح کی تشبیہات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بہت زیادہ ہیں۔

ان تمام تشبیہات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے کلی امور اور عقلی حقائق کو تشبیہ کی وساطت سے واضح فرمایا۔

③ الکنایۃ

تصویر کشی کی انتہائی مؤثر طریقہ کنایہ کہلاتا ہے۔کنایہ عربی زبان کا ایک اہم باب ہے اور قرآن کریم نے اس اسلوب کو استعمال کیا ہے۔ کنایہ ایک ایسا اسلوب ہے جس میں لفظ کے معنی کی بجائے اس کے معنی کی لازم کو مراد لیا جاتا ہے(56)۔ یہ ایک انتہائی خوبصورت اور مؤثر انداز کلام ہے کیونکہ اس میں تصویر کشی اور مخاطب کو متاثر کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔اس میں ایجاز واختصار کے ساتھ ملزوم سے لازم کی طرف انتقال بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں انتہائی خوبصورت اور مہذب کنایئے موجود ہیں۔آپ کا یہ ارشاد کہ:

((من كشف قناع امرأة وجب لها المهر))(57)

''جب نکاح ہو جائے تو اس پر مہر لازم ہے''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ:

((من يضمن لي ما بين لحييه وبين رجليه أضمن له الجنة)) (58)

''جس نے دو جبڑوں کے درمیانی حصہ (زبان) اور دو ٹانگوں کے درمیان (شرمگاہ) کی حفاظت کی تو میں اس کے لیے جنت دینے کا ضامن ہوں''۔

یہاں **(مابين لحييه)** کنایہ زبان سے اور **(مابين رجليه)** کنایہ شرمگاہ سے ہے۔ اس کنایہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت و پاکدامنی کا اظہار ہوتا ہے۔

❼ لغوی توازن اور موسیقی

خوبصورتی کی طرف میلان فطرت کا تقاضا ہے۔خواہ خوبصورتی صورت میں ہو یا آواز میں، یا اُسلوب میں۔ چونکہ زبان ایک صوتی مظہر ہے۔اس میں انسان کے احساسات، جذبات اور افکار کی عکاسی ہوتی ہے۔ جب انسان فکری اور شعوری طور پر مکمل ہوتا تو اس کی زبان سے نکلنے والے جملے اور کلام بھی خوبصورت ہوتا ہے۔ عبارت کا جمال اور اسلوب کا جلال لوگوں کے درمیان وجود میں مشترک ہیں،لیکن مرتبے میں مختلف ہیں۔الفاظ کا جمال اور تعبیر کی تازگی، جذبات کی قوت اور موضوع کے جلال کا تابع ہے۔کلام جب متوازن صوتی انداز میں بہترین صورت میں پیش کیا جائے تو وہ بہت مؤثر ہوتا ہے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان پر مکمل گرفت حاصل تھی۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب قرآن مجید کے اسلوب سے متاثر تھا۔اس وجہ سے آپ کے کلام میں توازن اور موسیقیت کا ایک عجیب انداز پایا جاتا ہے۔اس کو ہم دو اجزاء میں تقسیم کر سکتے ہیں:

ایک الفاظ کا توازن وموسیقیت اور دوسرا جملے اور تراکیب میں موسیقیت۔ دوسرے جز میں سجع، ازدواج، توازن، التجنیس، الطباق کلام میں نفسیاتی ترتیب وغیرہ

① الفاظ کا توازن اور موسیقیت/ترنم

جہاں تک الفاظ کی موسیقیت کا تعلق ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے الفاظ معانی کے مطابق آتے تھے۔ معنی اور الفاظ کے درمیان ایک قسم کا صوتی تلازم پایا جاتا ہے مثال کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ:

((الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذي يقرأ القرآن ويتتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران))(59)

''قرآن مجید کا ماہر معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا، جب کہ وہ شخص جو قرآن مجید پڑھتے ہوئے اٹک جاتا ہے اس کو پڑھنے کے دوران تکلیف ہوتی ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں''

یہاں لفظ ''يتتعتع'' کے اندر وہ مشقت اور تکلیف کا عنصر لفظ میں واضح ہے۔ اور اس معنی کے لیے اس سے بہتر کوئی اور لفظ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ((إن الله عزوجل يقبل توبة العبد مالم يغرغر......))(60) ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کو ''غرغرہ'' تک قبول کرتے ہیں''۔ اور ''غرغر'' عربی زبان میں اس وقت کو کہتے ہیں کہ جب کوئی انسان موت کے بالکل قریب ہو اور اس کی روح بدن سے نکلنے کے لیے گلے تک پہنچ جائے۔ غرغر کے لفظ میں اس آواز اور سختی کی طرف اشارہ ہے جو قریب الموت شخص سے ظاہر ہوتی ہے۔

② جملوں اور تراکیب کے درمیان توازن وہم آہنگی

اگر جملوں کے درمیان آپس میں ربط وتعلق ہو، اور ان کے درمیان لفظی وصوتی ہم آہنگی ہو تو اس سے کلام کے اندر ظاہری حسن وجمال کا عنصر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور سننے والے پر اچھا اثر چھوڑ دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں عجیب قسم کا توازن اور صوتی ترنم پایا جاتا تھا۔ جسے مندرجہ ذیل صورتوں میں ہم دیکھ سکتے ہیں:

③ سجع اور فواصل کے درمیان مطابقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سجع بکثرت پایا جاتا ہے، لیکن یہ سجع ہر قسم کی بناوٹ وتصنع سے پاک بالکل فطری تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فکر کی خوبصورتی اور الفاظ کی خوبصورتی کو آپس میں ملا کر ایسا کلام ترتیب دیتے تھے جو نہ صرف سحر انگیز ہوتا تھا بلکہ سننے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔(61)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سجع معنی کے موافق، انتہائی واضح، آسان، دلچسپ اور سننے والے پر

اثر انگیز ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

((اللهم آت نفسي تقواها وزَكِّها وأنت خير من زَكَّاها، أنت وليّها ومولاها))(62)

''اے اللہ میرے نفس کو پرہیز گاری عطا کر اور اس کو پاک کر، آپ بہترین پاک کرنے والے ہیں۔ آپ ہی میرے نفس کے حامی و ناصر ہیں''۔

یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

((تعوذوا بالله من جهد البلاء، ودرك الشقاء وسوء القضاء، وشماتة الأعداء))(63)

''اے لوگو اللہ سے آفتوں، بدبختی کے گھیراؤ، بدنصیبی اور دشمنوں کی خوشی سے پناہ مانگو''۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

((افشوا السلام، وأطعموا الطعام، وصلوا الأرحام، وصلُّوا والناس نيام، تدخلوا الجنة بسلام))(64)

''آپس میں سلام کو پھیلاؤ، اور کھانا کھلاؤ، اور صلہ رحمی کیا کرو، اور ایسے وقت میں نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تا کہ تم لوگ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو''۔

ان مذکورہ بالا ارشادات میں جملوں اور کلمات کے آخری حروف کے درمیان عجیب قسم کا توازن، ہم آہنگی اور صوتی ترنم پایا جاتا ہے۔ پہلی دعا میں (**تقواها، زكاها، مولاها**) دوسری میں (**البلاء، الشقاء، القضاء، الأعداء**) اور تیسری (**السلام، الطعام، الأرحام، نيام، بسلام**) کے آخری حروف میں توازن و یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور اس توافق میں کسی قسم کی بناوٹ تصنع و تکلف کا شائبہ تک نظر نہیں آتا بلکہ انتہائی فطری انداز اختیار کیا گیا ہے۔

کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس طرح کی سینکڑوں مثالیں پیش کرسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں علم البدیع کے تمام محاسن پائے جاتے ہیں۔ خواہ وہ محاسن لفظی ہوں یا معنوی۔ ان تمام اسالیب کلام میں ایک چیز قدر مشترک ہے کہ وہ ہر قسم کے تکلف و بناوٹ وتصنع سے پاک ہیں۔ اور ان میں کمال درجے کا توازن، ہم آہنگی اور صوتی طور پر انتہائی ترنم ہے۔

ایک اہم خصوصیت جو آنحضرت کے اسلوب کلام کا طرہ امتیاز رہا ہے وہ مندرجہ بالا کلام کے درمیان انتہائی مضبوط اور نفسیاتی ترتیب ہے جس میں سننے والا شخص ہر جملے کے بعد دوسرے جملے کا منتظر رہتا ہے۔

خلاصۂ کلام

درحقیقت یہ موضوع زیادہ تفصیل طلب ہے۔اس کا کماحقہ احاطہ کسی ایک شخص کے لیے ممکن نہیں۔لیکن اس کے باوجود مالا یدرک کلہ لا یترک جلّہ کے اصول کے تحت مقالہ کا لب لباب پیش ہے:

① اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص قسم کے ماحول میں پیدا کر کے لسانی طلاقت وفصاحت وبلاغت کے تمام اسباب مہیا کیے۔خواہ وہ کسبی ہوں یا وہبی ہوں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو بطریق احسن لوگوں تک پہنچا سکیں۔

② بلاغت نبوی درحقیقت قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے۔اور قدرت کے کرشمے مخلوق کے ترازو میں نہیں تولے جاسکتے،مخلوق صرف احساس کر سکتے ہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

③ بلاغت نبوی کا مکمل احاطہ ناممکن ہے کیونکہ یہ موضوع انتہائی ضخیم وسیع ہے۔

④ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت وضاحت ہے۔اس لیے وہ ہر قسم کے ابہام وغموض سے اپنے کلام کو پاک کرتے تھے اور مخاطب اور مقتضی الحال کا خیال رکھتے ہوئے کلام کو پیش کرتے تھے۔

⑤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی زبان پر ایک عجیب قسم کی دسترس حاصل تھی اسی اساس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نت نئے الفاظ واسالیب تخلیق کرتے تھے جو بعد میں زبان ادب کے انتہائی خوبصورت حصے کے طور پر محفوظ ہوئے۔

⑥ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تسلسل ومنطقی انداز پایا جاتا تھا۔آپ ہر لحاظ سے مناسب الفاظ وتراکیب کو استعمال کر کے کلام پیش کرتے تھے۔

⑦ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاز کے مختلف اقسام کو اپنے کلام میں استعمال کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر استعمال انتہائی جاذب اور خوبصورت ہوا کرتا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایسے اسالیب استعمال کیے جن کی نظیر نہیں ملتی۔

⑧ احادیث نبوی کا مرتبہ قرآن کریم کے بعد سب سے اونچا ہے۔لہذا علماء اور محققین کو اس میدان میں مزید کام کی ضرورت ہے۔خاص طور پر جدید دور کے نئے اسلوبی اصولوں کو سامنے رکھ کر اسلوب نبوی کے فنی محاسن کو اجاگر کیا جائے اور ہر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر کے مؤثر کلام کے ذریعے اسلام کے درخشندہ اصولوں کو دنیا کے سامنے رکھ سکے۔

حواشی وحوالہ جات

(1) سورۃ النور:54 مزید آیتیں ملاحظہ کیجیے آل عمران:2، المائدۃ:92، التغابن:12۔

(2) سورة المائدة:67

(3) سورة النساء:63

(4) سورة الانعام:24

(5) دیکھئے سیوطی، جلال الدین(ت:911ھ)، المزهرفي علوم اللغة وأنواعها (مصر، مكتبه الأزهرية 1325هـ)،ص:128/1 اور دیکھئے جاحظ، عمرو بن بحر، البيان والتبيين، تحقيق: محمد عبد السلام هارون (مصر، مكتبة الخانجي،1975م)،ص:9/1

(6) المزهر،ص:127/1

(7) ابن الأثير،المبارک بن محمد، النهاية في غريب الحديث والأثر، تحقيق: طاهر أحمد الزاوي، ومحمود محمد الطناجي،(مطبعة الخيرية، مصر)4/1، وأبو عبدالله بن عبدالباقي بن يوسف مالک (ت:1142هـ) شرح المواهب اللدنية (المطبعة الأزهرية المصرية1327هـ) 101/4، وابن الجوزى أبو الفرج عبدالرحمن (ت:597هـ) الوفاء بأحوا ل المصطفى (مصر، دار الكتب الحديثة، 1386هـ) 456/2

(8) عربوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے بدوی قبائل اور دیہات بھیجا کرتے تھے تاکہ صاف اور کھلی فضا میں ان کی تربیت ہوسکے اوران کی زبان وبیان ہر قسم کے شہری ملاوٹ وآلودگی سے پاک رہے۔ اور بنی سعد جو فصاحت وبلاغت میں مشہور ومعروف قبیلہ تھا اعلیٰ مقام کا حامل تھا۔اعجاز القرآن والبلاغة النبوية (دارالكتاب العربي، ط م/4999/ بيروت) ص:285

(9) الجاحظ ، عمرو بن بحر البيان والتبيين، جـ:2،ص:18/2

(10) النهاية في غريب الحديث والأثر4/1 اور دیکھئے محمد بن يوسف الصالحي الشامي (ت:942هـ) سبل الهدى والرشاد فی سيرة خيرالعباد (مصر، المجلس الأعلى للشوؤن الإسلامية1394هـ) 130/2، الزمخشري، الفائق في غريب الحديث، تحقيق: على محمد البجاوي ومحمد أبو الفضل إبراهيم (مطبعة عيسى البابي الحلبي وشركاه، ط:2) 11/1

(11) أحمد حسن الزيات، وحي الرسالة (بيروت، دارا لثقافة، ط:6،1973م) 105/3

(12) حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کی طرح جلدی جلدی نہیں بولتے تھے، بلکہ کلام کو آرام سے اور جدا کر کے پیش

فرماتے تھے۔ دیکھئے الترمذی، امام عیسی بن محمد بن سورۃ (ت:679ھ) جامع ترمذی (الهند، المطبعة المجتبائية) 2/305۔ اسی طرح سنن ابی داؤد میں منقول ہے۔

(13) دیکھئےابو داؤد، امام سلیمان بن الأشعث بن اسحاق الأزدیه (ت:275 ھ)سنن أبی داؤد (الهند، المطبعة النامية)2/566 اور دیکھئے ابن الجوزي، الوفاء بأحوال المصطفیٰ 2/454

(14) ابن الجوزي، الوفاء بأحوال المصطفیٰ 2/454

(15) دیکھئےجامع ترمذی2/705 وشمائل ترمذی (الهند، المطبعة المجتبائية) ص:15

(16) الوفاء بأحوال المصطفیٰ 2/406

(17) دیکھئے صحیح مسلم ، جـ:8، ص:11

(18) رواه البخاری دیکھئے ریاض الصالحین باب ملاطفة اليتيم ، ص:137

(19) المنطية: (ن ط و) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی دینے والا اور المنطاۃ اسم مفعول ہے یعنی لینے والا۔ دیکھیے۔ المنجد فی اللغة والأعلام تحت مادة (نط و)

(20) الإمام محمد يوسف الشامي (ت:942هـ) سبل الهدى والرشاد في سير ة خيرالعباد.2/130

(21) دیکھئے حافظ أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (ت:360هـ)، المعجم الكبير، تحقيق، حمد عبدالله السلفي (دار احياء التراث، القاهرة)،ص:11/172،وسبل الهدى والرشاد ، ص:2/140

(22) التیعة بھیڑ بکریوں کی عدد جب چالیس ہو جائے ، یامال ومویشی نصاب زکوٰۃ کا ادنی حصہ، دیکھئے ابن الاثیر، مجد الدین (ت:606ھ)مثال الطالب فی شرح طوال الغرائب، تحقيق: د. محمود محمد الطناجی (مصر مطبعة المدنی) ص:718۔

(23) خلاط سے مراد اپنی مویشیوں کو دوسروں کے مویشیوں کے ساتھ اس لیے مکس کرنا تا کہ ان کی زکوٰۃ نہ دینا پڑے۔ اور وراط مال مویشی میں دھوکہ کرنا۔ لسان (تبع) مادہ ج:14،ص:176،مادہ(ور ط)ج:15،ص:272

(24) تفصیل کے لیے دیکھئے ابن الأثير مجدد الدين (ت:606هـ) منال الطالب في شرح طوال الغرائب (مصر، مطبعة المدني) ص:8. والعسكري، أبو هلال العسكري، حسين بن عبدالله بن سهل (ت:395هـ) كتاب الصناعتين (مصر،دار إحيا الكتب العربية، عيسى البابي الحلبى وشركائوه ص:156 وأحمد بن زينى دحلان (ت:1304هـ) السيرة النبوية (دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان، ط:1،1416هـ 1995م) ،ص:2/213

(25) دیکھئے ابن الأثیر مجد الدین (ت:606 هـ) منال الطالب في شرح طوال الغرائب، ص:8

(26) الزبیدی، ابن المربیع، تیسیر الوصول (الحلبی،1353م) ج:1، ص:25

(27) دیکھئے الصباغ محمد، الحدیث النبوي (مصطلحه. بلاغتة. علومه) (بیروت منشورات المکتب الإسلامی1392هـ/1972م) ص:93 وعبدالحمید المسلوت الأدب العربي بین الجاهلية والاسلام (الجامعة الليبية، ط:1،1972م) ص:387 والزيات احمد حسن دفاع عن البلاغة (القاهرة، عالم الكتب، ط:2، 1967م) ص:100-65

(28) العسکری، ابو هلال، الصناعتین ص:167

(29) الرافعی، تاریخ آداب العرب (دارالكتاب العربی، بیروت، ط: 9، 1393هـ/1973م) ص:243.277

مزید مثالوں کے لیے دیکھیے، الرضي، الشریف المجازات النبویة ، تحقیق وشرح د/ حه محمد الزینی (القاهرة، مؤسسة الحلبی وشرکاء ه،1387ه/1967م) ومن وحی الرسالة، للزیات، ص:3/107، وعز الدین علی السید، الدکتور، الحدیث النبوی من الوجهة البلاغیة ، ص:186-185 وکبری شیخ امین أدب الحدیث النبوی(دارالشروق بیروت،ط:2، 1890هـ/1975م) ص:106-104

(31) الخطابی، الإمام أبو سلیمان أحمد بن بن محمد بن إبراهیم (ت:388هـ)، غریب الحدیث، ج:ب1، ص:66

(32) دیکھئےالبیان والتبیین، ص:21/2

(33) ابو عیسی ابن عیسی بن سوره، شمائل الترمذی (المطبعة المجتبائیة، الهند) ص:16

(34) القیرواني، ابن رشیق، العمدة في صناعة الشعر ونقده (القاهرة1344هـ/1925م)، ص:161/1

(35) دیکھئےالمبرد، محمد بن جریر، الکامل، تحقیق: محمد احمد الوالی ، ص:10/1

(36) سر الفصاحة ص:203

(37) دیکھئےابو هلال العسکری، الصناعتین، ص:187

(38) ابن رشیق القیروانی، العمدة ، ص:24/1

(39) ابن الأثیر، المثل السائر، ص:119/1

(40) العز بن عبدالسلام، الإشارة إلی الإعجاز (الأهرام التجارة،197م) ص:2

(41) ابن حجر العسقلاني، فتح الباري (المطبعة السلفية، القاهره،138هـ) القاهره)، ص:52/1

(42) دیکھیئے رواه البخاری جـ11، ص:302 وأبو داؤد جـ:12، ص:418

(43) من وحی الرسالته ، ص:107/3

(44) دیکھیے ، البیهقی، علی بن أبی بکر، مجمع الزوائد (دار الکتب العربیه، بیروت، 1402هـ/1982م) ص:129

(45) متفق علیه. والنووی، یحیی بن شرف، ریاض الصالحین من کلام سیدالمرسلین (بیروت، دار الکتاب العربی1393هـ/1973م) ص:29-28

(46) تیسیر الوصول ، ص:24/2

(47) مجاز سے مراد الفاظ کا ظاہری معنی نہ ہو بلکہ دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہو بشرطیکہ معنی اصلی اور مجازی کے درمیان تعلق موجود ہو۔ اگر یہ تعلق مشابہت کا ہو تو اس استعارہ کو کہا جاتا ہے اور مشابہت نہ ہو تو اس کو علمائے بلاغت کے ہاں مجاز مرسل کہا جاتا ہے۔

(48) دیکھئے المجاز النبویة، تحقیق: محمد العزینی ص:10-9

(49) دیکھئے الصعیدی،عبد المتعال،بغیة الایضاح لتلخیص المفتاح،(مکتبۃ المعارف،الریاض،1417ھ/1997م) استعارہ کی تعریف یہ ہے "استعمال اللفظ في غير ما وضع له لعلاقة المشابهة مع وجود قرينة مانعة من إرادة المعنى الوضعي"

(50) تیسیر الوصول ج:3، ص:280

(51) المجازات النبویة، ص:55

(52) دیکھئے المجازات النبویة، ص:166

(53) دیکھیئے المجانات النبویة: ص:35

(54) المثل السائر لابن الأثیر ، ص:103/3

(55) دیکھیئے امام

(56) الدارمي، سنن الدارمي (شرکة الطباعة الفنیة المتحدة بالدراسة) ص:32-31

(57) سنن الترمذی، ص:470/3

(58) دیکھئے تفصیل صحیح البخاري، ص:183/3،ص:126/8،ص:143/1، سنن الترمذي ، ص:576/5

(59) دیکھئے متن التلخیص بشرح مقدمة البرقوقي، ص:333

(60) دیکھئے الکنایه للجرجانی،ص:6 یہاں لفظ قناع اصل میں اس چادر کو کہتے ہیں جو خاتون اپنے سر کے اوپر ڈالتی ہے۔یعنی جس نے کسی خاتون کے سر کے رومال اور چادر کو ہٹایا یعنی نکاح کیا۔ یہاں روما ہٹانے کنایہ ہے نکاح سے۔

(61) فتح الباری، ص:308/11

(62) البیومی،محمد رجب، البیان النبوی (المکتبة، دار الوفاء، 1407ھ/ 1987م) ص:245

(63) تیسیر الوصول،ص:76/1

(64) دیکھئے احمد حسن زیادت، دفاع عن البلاغة ص:122 ومحمد رجب البیومی، البیان النبوی ص:254، العقاد، عبقریة محمد ص:76

(65) صحیح مسلم ، ص:2088/4

(66) فتح الباری، ص:513/11

(67) سنن الترمذی ، ص:252/4